© rasailojaraid.com

موجودہ انتخابات اور جماعت اسلامی

از جناب محمد عنایت اللہ صاحب وارثی

کچھ دنوں سے اخبارات میں مولانا مودودی صاحب کے اس مضمون کا تذکرہ ہو رہا ہے جو ایک سوال کے جواب میں سہ روزہ "کوثر" مورخہ ۲۰ اکتوبر ۴۵ء کے صفحہ ۳ پر شائع ہوا ہے۔ مولانا نے انتخابات کی شرکت اور رائے دہی کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجیے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو، بہرحال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔ موجودہ نظام کے خلاف ہماری لڑائی ہی اس بنیاد پر ہے کہ یہ نظام حاکمیت جمہور پر قائم ہوا ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ یا اسمبلی کو منتخب کریں یہ اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے جس کے لیے کوئی بالاتر سند اس کو تسلیم نہیں۔ بخلاف اس کے ہمارے عقیدۂ توحید کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو اور آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز۔"

دور حاضر کے علما حضرات، کانگریسی ہوں یا احراری، بریلوی ہوں یا دیوبندی، مختلف سیاسی نظریات رکھنے کے باوجود اسمبلیوں کے اشتراک و انسلاک میں متفق العمل ہیں۔ صاف انکار اور بائیکاٹ کی آواز پٹھان کوٹ کے سوا کہیں سے نہیں اٹھی اور وہ بھی اب تک محض ایک انکار ہے۔ ایک مسئلہ کی حیثیت سے یہ معاملہ تشنۂ بحث ہے۔ سطور ذیل میں اجمالی طور پر اپنے تاثرات پیش کرتا ہوں، ممکن ہے

© rasailojaraid.com

اہل علم اصحاب کی توجہ سے اس کے جزئیات دلیل و برہان کے ساتھ مزید روشنی میں آجائیں۔

اگر ممبران اسمبلی کو قانون سازی کا غیر مشروط حق حاصل ہے تو اس حق کا غیر مشروط ہونا ہی اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ یہ لوگ صحیح قانون مرتب کرنے میں آزاد ہیں۔ یعنی ان کو وہ اختیار حاصل ہو گا کہ ایسا قانون مرتب کریں جس میں "آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز۔" کیونکہ آخر زمین کے منہ پر خدا کے بندوں ہی کو خدائی قانون کی ذمہ داری کو انجام دینا ہے۔ اگر حکم و اختیار نیک بندوں کے ہاتھ میں آئے گا تو یقیناً خدا کی زمین پر نیکی کی اشاعت ہو گی اور برائی مٹتی جائے گی۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔

لہٰذا اس مقصد اعلیٰ کے حاصل کرنے کے لیے ایجابی پہلو تو یہ ہوا کہ ایسے لوگوں کے منتخب ہونے کی کوشش کی جائے جن پر رضائے الٰہی کے ماتحت کام کرنے کا گمان غالب ہو، اور سلبی پہلو یہ رہا کہ ایسے لوگوں کے اختیار و اقتدار میں شدید مزاحمت کی جائے جن کی نسبت اس کے برعکس چلنے کا خیال ہو۔ علیحدگی بائیکاٹ اور تعطل کا جواز کسی صورت میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر نیک لوگوں کے برسر اقتدار آنے میں تعاون نہ کیا جائے تو تعاون علی البر کے خلاف ہے اور اگر خالی چھوڑ کر بروں کو موقع دیدیا جائے تو سکوت عن الحق کا جرم ثابت۔

ہاں اگر موجودہ جماعتوں میں کوئی جماعت تعاون کی مستحق اور اہل نہیں تو جماعت اسلامی کو میدان میں آنا چاہیے تاکہ یہ لوگ "اپنا سارا زور اس اصول کے منوانے میں صرف کر دیں کہ حاکمیت صرف خدا کی ہو اور قانون سازی کتاب الٰہی کی سند پر مبنی ہو۔" تاہم اس سارے زور کے لیے بائیکاٹ اور تجنب کا میدان تلاش کرنا یقیناً وضاحت طلب ہے۔

اگر ہر معاملہ کو وقتی قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے علیحدہ رہنے کی تلقین کر دی جائے تو ایک ایسی دنیا مسلمانوں کے آباد ہونے کے لیے تلاش کرنی پڑے گی جو اس لیل و نہار اور وقت و زمان کی قیود سے ماورا ہو۔ نیز یہ بھی خیال کرنا پڑے گا کہ کیا اسلامی نظام کی ہمہ گیری اس سے قاصر ہے کہ وقتی مسائل کو اپنے ابدی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وا زلی قوانین کے ماتحت حل کر سکے۔ علیحدگی کسی صورت میں بھی اس مسئلہ کا حل نہیں کہلا سکتی۔ یا اس نظام کے ساختہ منع و مزاحمت کا معاملہ ہو یا قبول و اذعان کا تعلق۔ اگر پوری مزاحمت ناممکن بھی ہو تو بھی مسلمان حتی الامکان کام کرنے کے لیے مجبور ہے۔

اس سلسلہ میں اکثر اضطرار و اختیار کی بحث پیش آتی ہے۔ سو اس کی نسبت عرض ہے کہ محترم مولانا مودودی صاحب نے اپنی اکثر تحریروں میں اظہار افسوس کرتے ہوئے بالوضاحت لکھا ہے کہ بدقسمتی سے اس وقت ہندوستان میں ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں اسلامی قانون بغیر کسی منع و مزاحمت کے نافذ ہو۔ واقعی موجودہ حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے اور اس قانون و تمدن میں زندگی بسر کرتے ہوئے یہ بھی ناممکن کہ ہم اپنی تمام قوتوں اور مال و املاک کو نظام باطل کا آلۂ کار بننے سے محفوظ رکھ سکیں اور ہندوستان کے وسیع و عریض براعظم میں زمین کا ایک انچ بھر ٹکڑا ایسا تلاش کر سکیں جو اس نظام کے اثر سے ماؤف نہ ہو۔ تاہم گورداسپور کے ضلع میں قصبہ پٹھان کوٹ کے قریب زمین کے ایک ٹکڑے کو دارالاسلام بنایا جاتا ہے۔ اور اس شیطانی نظام کی تمام خرابیوں کے باوجود اس کے اندر وہ دارالاسلام ہے۔ اور یہ اسی مجبوری کا نتیجہ ہے کہ جو چیز مکمل حاصل نہ کی جا سکے اس میں سے جس قدر حاصل ہو سکے کر لی جائے۔

پھر مولانا نے دارالاسلام کے نظام کی توضیح فرماتے ہوئے اس سے رہبانیت اور قدامت پرستی کے شائبہ کو بھی رفع فرمایا ہے۔ لکھا ہے کہ دارالاسلام کے قیام کا مقصد اکثر غلط فہم پنڈاروں کی طرح یہ نہیں کہ تمدن وحضارت کی جو حالت صحابۂ کرام کے زمانہ میں تھی بالکل وہی پیدا کی جائے اور ایک متحجر صورت میں قائم رکھی جائے بلکہ آپ آیۂ اَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ سے استدلال کرکے قوانین طبعی کی ہر نئی قوت و ایجاد کو شرعی قانون کے ماتحت استعمال کرنا ہی عین اسلام قرار دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر فرمایا ہے کہ:

"ریڈیو بجائے خود ناپاک نہیں، ناپاک وہ تہذیب ہے جو ریڈیو کے ڈائرکٹر کو دار وغۂ ارباب نشاط یا ناشر کذب و افترا بناتی ہے۔"

رسالہ "دارالاسلام" صفحہ ۲

اور فرمایا کہ:-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"یہ طاقتیں تو تلوار کی طرح ہیں کہ جو اس سے کام لے گا وہی کامیاب ہوگا، خواہ وہ ناپاک مقصد کے لیے کام لے یا پاک مقصد کے لیے۔ پاک مقصد والا اگر اپنے مقصد کی پاکی کو لیے بیٹھا رہے اور تلوار استعمال نہ کرے تو یہ اس کا قصور ہے اور اس قصور کی سزا اسے بھگتنی پڑے گی، کیونکہ اس عالم اسباب میں خدا کی جو سنت ہے اسے کسی کی خاطر نہیں بدلا جا سکتا۔" رسالہ مذکور صفحہ ۲

اب گذارش ہے کہ اسمبلی کی غیر مشروط قانون ساز قوت یا حکومت کے اختیار کی تلوار کا قبضہ اگر آپ جیسے صحیح الخیال اصحاب کے ہاتھ میں آنے کا موقع مل سکتا ہے تو اسے مسترد کر دینے اور اس امکانی فوائد حاصل کرنے سے باز رہنے کے لیے وجہ جواز کیا ہے؟ مزاحمت باطل اور اعلائے حق کی مصائب سے عمداً کنارہ کش ہو کر گوشۂ عافیت اختیار کرنے کی یہ ایک دانشمندانہ کوشش تو نہیں۔

اگر پاک جماعت اپنے پاک مقاصد کو لیے بیٹھی رہے اور ناپاک مقاصد رکھنے والے لوگوں کے لیے عمداً جگہ چھوڑ دے اور نظام باطل کی گاڑی کے سامنے مزاحمت پیدا کرنے کی بجائے اس کے پیچھے سے اپنے آپ کو بے حس و حرکت باندھ دینا ہی دینداری اور خدمت اسلام یقین کر لے تو کیا اس عالم اسباب میں خدا کی سنت کے مطابق اس قصور کی سزا بھگتنی نہیں پڑے گی؟

یا تو نظام باطل سے کامل بے تعلقی عملاً حاصل ہو جائے اور مسلمان ایک خالص اسلامی ماحول پیدا کر لے، لیکن اگر یہ صورت ناممکن ہو جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر کونسا مسلک ہے کہ وہ تعاون تو اضطراراً جائز رکھا جائے جس سے یہ نظام کا حصہ متمتع ہو کر دن بدن مضبوط سے مضبوط تر ہو رہا ہے، اور ان صورتوں سے اختیاراً دستکشی کر لی جائے جہاں کسی قدر اسلامی مفاد بھی حاصل کرنا متصور ہو۔ اگر اسم اور مسمیٰ میں کسی وجہ تسمیہ کا ہونا لازم ہے تو ایسی روش کو مسلک (چلنے کی راہ) کے بجائے بقول "کوثر" "موقف" (ٹھہرنے کی جگہ) کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

"کوثر" کے اسی نمبر کے افتتاحیہ میں مولانا نصر اللہ خاں صاحب عزیز نے بھی اسی مسئلہ پر بحث فرمائی ہے جس کے مطالعہ سے اس سلسلہ میں اور بھی الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور جمود و تعطل کا شائبہ یقین کی حد کو پہنچ جاتا ہے۔ آپ جہاد کے لیے دو شرطیں مقرر فرماتے ہیں۔ لکھا ہے:-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اس کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ وہ با اختیار امیر کی قیادت میں ہو۔ کسی دوسرے نظام قاہر و مسلط کے اندر رہتے ہوئے جہاں کسی با اختیار امیر کا وجود ناممکن ہے قتال کرنا بدامنی اور فساد ہے جو جائز نہیں۔"

یہ حکم مزید توضیح کا محتاج نہیں۔ با اختیار امیر کی قیادت کے بغیر جہاد فساد ہے اور امیر کا وجود کسی دوسرے قاہر و مسلط نظام کی موجودگی میں ناممکن ہے۔[۵]

اس شرط کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد نظام حقہ قائم ہونے کی صرف یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ قاہر و مسلط نظام کے ارکان خود بخود مہربانی کر کے مسلمانوں پر سے اپنا قہر و تسلط اٹھا لیں اور انھیں کامل آزاد ماحول میں چھوڑ کر ٹھنڈے ٹھنڈے کہیں سدھار جائیں تاکہ مسلمانوں کو ایک با اختیار قیادت قائم کرنے کا شرعی حق حاصل ہو جائے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ پھر جہاد کی ضرورت رہے یا نہ رہے۔ بہر حال جہاد حلال ہونے کی شرط یہی ہے۔

اگر یہ شرعی فتویٰ کسی غیر متقی کو مشتبہ نظر آئے تو پھر سوا اس کے چارۂ کار نظر نہیں آتا کہ جس طرح نظام باطل کے منع و مزاحمت کے باوجود ایک غیر اسلامی ماحول میں دار الاسلام قائم کرنے کی کوشش مناسب و موزوں بلکہ ضروری نظر آتی ہے اور اس نظام کے پیدا کردہ تمام آلات و قویٰ سے کام لینا عین اسلام اور کام نہ لینا ہلاکت قرار دیا جاتا ہے، وہاں اسمبلیوں سے اپنا حصہ حاصل کرنا اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنا ہی تقاضائے عقل و انصاف ہے۔

مسلم لیگ کی پیدا کردہ موجودہ فضا اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ اگر دیہات کے ناخواندہ زمینداروں کے سامنے جو آج تک ذات پات کی عصبیت میں اعراب عرب سے کسی حالت میں کم نہیں تھے ایک طرف کوئی غیر متشرع نواب ہوتا اور دوسری طرف ایک عالم دین تو یقیناً وہ عالم دین کو کامیاب کر کے چھوڑتے۔ اس نادر موقع سے فائدہ نہ اٹھانے اور عوام کو مذہبی قیادت سے محروم رکھنے کی ذمہ داری

---

[۵] ترجمان القرآن :- یہ محض ایک خلط مبحث ہے۔ مدیر کوثر نے اس موقع پر جس جہاد سے بحث کی ہے وہ جہاد بالسیف ہے۔ وہ جہاد جو جد و جہد کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اس دوسری قسم کے جہاد کے لیے با اختیار امیر کی شرط کا کوئی بھی قائل نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف ان لوگوں پر ہے جو محض اپنے آرام کی خاطر علما کو بائیکاٹ کا مشورہ دے رہے ہیں۔

یوسف صدیق علیہ السلام نے اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ کا مطالبہ کر کے غیر اسلامی حکومت کے ایک شعبہ کو ہاتھ میں لیا اور بہترین انتظام کر کے دنیا کو ہلاکت سے بچایا۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اور اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کے مسلسل مطالبات کر کے ایک غیر مہذب اور غیر صالح بھیڑ کو اسی ملک کے ایک حصہ میں رکھ کر اصلاح و تہذیب کی کوشش کی۔

مریض کی صحت انھیں اخلاط کی تبدیلی پر منحصر ہے جو مریض کے وجود کے اندر موجود ہیں۔ ہمسایہ کے گھر میں خواہ کسی قدر بہترین اور قیمتی ادویات کا انبار عمدہ سے عمدہ قرینہ اور ترتیب ہی سے کیوں نہ لگا دیا جائے دوسرے گھر والا مریض صحت یاب نہیں ہو سکتا۔

جواب

یہ مضمون دراصل متعدد مغالطوں یا غلط فہمیوں کا مجموعہ ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کر کے یہاں ہم صرف تین بڑی اور بنیادی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔

(۱) صاحبِ مضمون کی پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ "اگر ممبرانِ اسمبلی کو قانون سازی کا غیر مشروط حق حاصل ہے تو اس حق کا غیر مشروط ہونا ہی اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ یہ لوگ صحیح قانون مرتب کرنے میں آزاد ہیں، یعنی ان کو اختیار حاصل ہوگا کہ ایسا قانون مرتب کریں جس میں آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے"۔۔۔۔ بظاہر یہ بات بڑی معقول معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی تھوڑی سی تحلیل کرنے سے ہی یہ حقیقت بآسانی کھل جاتی ہے کہ یہ مغالطہ یا غلط فہمی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ آزادی کا ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان کو یا انسانوں کے کسی گروہ کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل ہو اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کوئی انسان یا انسانوں کا کوئی گروہ اپنا یہ اصول قرار دے اور اس نظریے پر کاربند ہو کر وہ اپنے عمل میں خود مختار رہے اور خود اپنی خواہش اور صوابدید کے سوا کسی آسمانی ہدایت سے امر و نہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے احکام لینے اور اپنے معاملات میں رہنمائی حاصل کرنے کا پابند نہیں ہے۔ ان دونوں مفہومات میں سے پہلے مفہوم کی آزادی تو انسان کی فطری مسئولیت و ذمہ داری کی اساس ہے جس کی بنیاد ہی پر وہ شرائع الٰہیہ کا مخاطب بنایا گیا ہے۔ یہ آزادی مومن ہونے کے لیے بھی اسی طرح ناگزیر ہے جس طرح کافر ہونے کے لیے۔ اسے ایمان و اسلام کی راہ میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور کفر و معصیت کی راہ میں بھی، اس کو بجائے خود نہ کفر کہا جا سکتا ہے نہ ایمان، بلکہ یہ ایک شرط مقدم ہے جس کے حصول کے بغیر کوئی فرد یا گروہ نہ ایمان کی راہ پر چل سکتا ہے نہ کفر کی راہ پر۔ بخلاف اس کے دوسری قسم کی آزادی قطعی طور پر ایک کافرانہ آزادی ہے اور کسی فرد یا قوم کا اسے بطور ایک نظریہ و مسلک کے اختیار کرنا صریحاً یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے ایمان کے بجائے کفر کی راہ اپنے لیے انتخاب کی ہے۔ کیونکہ کفر اس کے سوا کسی اور چیز کا نام ہی نہیں ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہدایت الٰہی سے بے نیاز قرار دے کر اپنے نظریات و اعمال میں خود مختاری کا طریقہ اختیار کرے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان میں جس دستور پر حکومت خود اختیاری کا نظام اس وقت قائم کیا گیا ہے اور جن خطوط پر آئندہ اس دستور کا نشو و نما ہو رہا ہے، اس کی بنیاد آیا محض پہلی ہی قسم کی آزادی ہے یا دوسری قسم کی آزادی بھی اس میں شامل ہے؟ جو شخص ہندوستان کے موجودہ نظام حکومت سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ پورا نظام دنیوی لادینی ریاست (SECULAR State) کے نظریہ پر مبنی ہے اور اب جو اس کا مزید دستوری ارتقاء ہو رہا ہے اس میں بھی یہ بات اصل و اساس کے طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ وہ اسی دنیوی لادینی ریاست کے قاعدہ پر مبنی ہوگا، یعنی اس میں باشندگان ملک کو صرف یہی آزادی حاصل نہیں ہوگی کہ اپنے لیے جو دستور چاہیں اختیار کریں، بلکہ اس کی بنیاد لازماً اس نظریہ پر قائم ہوگی (اور آج بھی ہے) کہ حاکمیت جمہور کی ہے اور قانون سازی میں رائے عام سے بالاتر کسی کتاب الٰہی اور ہدایت خداوندی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس بنا پر یہ پورا نظام دراصل ایک کافرانہ نظام ہے، اس کی بنیاد اسلام کی بنیاد سے متصادم ہے اور اس کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اس میں داخل ہونا قطعاً ایمان کے خلاف ہے۔ یہ آواز اگر صرف "پٹھان کوٹ" سے اٹھی ہے تو اس میں بیچارے "پٹھان کوٹ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا کوئی قصور نہیں، قصور ان دوسری جگہوں کا ہے جہاں سے یہ اٹھنی چاہیے تھی مگر نہ اٹھی۔

یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ہم اس نظام کے اندر داخل ہو کر[1] اس کو اسلام کی طرف پھیر لیں گے۔ اس کے اندر داخل ہونا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ پہلے اس کے بنیادی نظریے کو تسلیم کیا جائے، اور اس کے بنیادی نظریے کو تسلیم کرنا اسلام کے بنیادی نظریے سے انکار کا ہم معنی ہے، لہٰذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ باہر رہ کر[2] اس کے خلاف لڑیں اور اپنی تمام تر کوشش پہلے یہ اصول منوانے میں صرف کریں کہ قانون سازی کتاب الٰہی کی سند پر مبنی ہونی چاہیے نہ کہ اس سے آزاد، اور باشندگان ملک کی حکومت خود اختیاری دوسری قوموں اور ملکوں کے مقابلہ میں خود اختیاری ہونی چاہیے، نہ کہ خدا کے مقابلہ میں! اصولی حیثیت سے قطع نظر عملی حیثیت سے بھی یہ تدبیر قطعاً ایک غلط تدبیر ہے کہ اس کافرانہ نظام حکومت کی مجالس قانون ساز میں داخل ہو کر ہم مذکورۂ بالا اصول منوانے کی کوشش کریں۔ یہ پارلیمنٹری طریق کار صرف ان جماعتوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے جو اصول میں رائج الوقت نظام سے متفق ہوں اور صرف فروعی اصلاحات کے معاملہ میں اپنا الگ مسلک رکھتی ہوں۔ لیکن جو جماعت سرے سے اس نظام ہی کو اصولی طور پر بدل ڈالنا چاہتی ہو اس کے لیے پارلیمنٹری طریق کار کسی طرح مفید نہیں ہو سکتا۔ اس کو تو لازماً انقلابی طریق کار اختیار کرنا پڑتا ہے یعنی یہ کہ وہ رائج الوقت نظام کے خلاف عام بے چینی پیدا کرے اور اس کو بدلنے کا ایک زبردست داعیہ باشندگان ملک میں ابھار دے، پھر وقت کے حالات کے لحاظ سے ایسی تدبیر اختیار کرے جس سے نظام حکومت عملاً تبدیل ہو سکے۔

(۲) دوسری غلط فہمی جس میں صاحب مضمون مبتلا ہیں، یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس نظام کی اصلاح اس طرح اور صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ اچھے لوگوں کو منتخب کر کے اُن اسمبلیوں میں بھیجنے کی کوشش کی جائے جو اس کافرانہ دستور پر بنائی گئی ہیں، اور چونکہ جماعت اسلامی نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا ہے

---

[1] یعنی اس کی کارفرمائی و کارکنی میں شریک و حصہ دار بن کر۔

[2] باہر رہنے سے ہماری مراد حکومت کی مشنری سے باہر رہنا ہے، نہ کہ اس تمدن سے باہر نکل جانا جو اس حکومت کے تحت چل رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ اس جماعت نے محض علیحدگی و اجتناب کا سلبی پہلو اختیار کر رکھا ہے جس سے اصلاح تو کسی طرح نہ ہوگی البتہ اقتدار کی تلوار برے لوگوں کے ہاتھ میں جاکر باطل کو اور زیادہ مضبوطی کے ساتھ جمانے میں استعمال ہوگی۔ اس غلط فہمی میں نہ صرف صاحب مضمون مبتلا ہیں، بلکہ بکثرت لوگ اسی طرز پر سوچ رہے ہیں اور اس کی اصل وجہ سطح بینی اور قلت فکر و تدبر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ دراصل یہ حضرات اس بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ کروڑوں مسلمانوں کے موجود ہوتے ہوئے موجودہ کافرانہ نظام اس ملک میں آخر قائم کیسے ہوگیا اور کیا وجہ ہے کہ ملک کا سارا دستوری ارتقا انہی کافرانہ اصولوں پر ہوتے چلا جا رہا ہے۔ اس سوال پر اگر انھوں نے کچھ غور کیا ہوتا تو ان پر خود یہ حقیقت منکشف ہوجاتی کہ اس خرابی کی اصل وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں میں عموماً شعور اسلامی مردہ یا نیم مردہ ہوگیا ہے۔ ان کے اندر اسلامی دستور حیات پرادا، اس کے لیے جینے اور مرنے کا ارادہ مفقود یا فقدان کی حد تک ضعیف ہے، اور انھوں نے ہندوستان کے غیر مسلم باشندوں کو بھی صحیح نظام زندگی سمجھانے اور اس کی طرف دعوت دینے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کی اپنی زندگی بھی فکری، اخلاقی اور تمدنی حیثیت سے بیشتر غیر اسلامی ہوگئی ہے اور ہندوستان کا پورا نظام تمدن و سیاست بھی کافرانہ اصولوں پر قائم ہوا ہے۔ اب اس خرابی کا اور اس کے برے نتائج کا مداوا کرنے کے لیے اس قسم کی تدابیر سے کچھ کام نہیں چل سکتا کہ اس کافرانہ نظام کی مشینری میں ہم چند نیک مومنوں کو بھجوانے کی کوشش کریں۔ تھوڑی دیر کے لیے اگر اس اصولی سوال کو نظر انداز کر بھی دیا جائے کہ ایک نیک مومن اس مشینری کی کافرانہ بنیادوں کو تسلیم کرکے اس میں داخل ہونے پر آمادہ ہی کیسے ہو سکتا ہے، اور اگر تقیہ کے شیعی طریقہ کو اختیار کرکے چند مومن اس نظام میں داخل ہونے پر آمادہ ہو بھی جائیں، تو دیکھنا یہ ہے کہ اس تدبیر سے حاصل کیا ہو سکتا ہے:

جمہوری نظام میں کوئی گروہ اپنے اصول کے مطابق نظام حکومت کو اس وقت تک ہرگز نہیں چلا سکتا جب تک کہ وہ حکومت کی مشینری پر قابض نہ ہو۔

حکومت کی مشینری پر قابض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مجالس قانون ساز میں اس کو غالب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکثریت حاصل ہو۔

اس غالب اکثریت کا حصول بحالات موجودہ ہندوستان کے ایک بڑے حصہ میں اہل ایمان کے لیے ممکن نہیں ہے، کیونکہ اس وقت اسلام اس ملک میں ایک ایسی اصولی تحریک کی حیثیت نہیں رکھتا جس کے علمبردار باشندگان ملک سے محض اپنے اصولوں کی بنا پر عام اپیل کر سکتے ہوں اور یہ امید کی جا سکے کہ وہ اپنی دعوت کو مقبول عام بنا کر اکثریت کی تائید حاصل کر لیں گے۔ فی الحال تو اسلام ہندوستان کی ایک ایسی قوم کا مذہب ہے جس کی دوسری قوموں سے کشمکش ہو رہی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی گروہ اس وقت خالص اسلامی اصول لے کر انتخابی مقابلہ میں اترے گا تو مسلمان قومیت کے پرستاروں کی طرح اس کو بھی صرف موجودہ مسلمان قوم ہی کے ووٹوں پر انحصار کرنا پڑے گا، اور معلوم ہے کہ یہ قوم ملک کے بڑے حصہ میں بجائے خود اقلیت میں ہے۔

رہے وہ علاقے جہاں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے، تو اگر بالفرض وہ پاکستان کی صورت میں خود مختار ہو جائیں اور ایک مستقل صاحب حاکمیت اسٹیٹ کی حیثیت بھی ان کو حاصل ہو جائے تب بھی خالص اسلامی اصولوں پر جو گروہ کام کرنا چاہتا ہو اس کے غالب اکثریت حاصل کرنے کا بحالت موجودہ یہاں بھی کوئی امکان نہیں ہے، کیونکہ اس کے اکثریت حاصل کرنے کا تمام تر انحصار مسلمانوں کی رائے عام پر ہے اور مسلمانوں کی رائے عام اس وقت بالکل ناتربیت یافتہ ہے۔ اسلامی فہم و شعور سے بہت بڑی حد تک عاری ہے اور اسلامی مقاصد کی بہ نسبت اپنی دنیوی خواہشات و اغراض کے عشق میں بری طرح مبتلا ہے۔ اس رائے عام کی تائید سے کسی ایسے گروہ کا اکثریت کے ساتھ منتخب ہونا تقریباً ناممکن ہے جو بے لاگ طریقہ سے خالص اسلامی اصولوں پر کام کرنا چاہتا ہو۔

پھر اگر بالفرض ایسا ایک گروہ اکثریت میں منتخب ہو بھی جائے تو جو حالات اس وقت پائے جاتے ہیں ان میں یہ ممکن نہیں ہے کہ آزاد پاکستان کے نظام کو اسلامی دستور میں تبدیل کیا جا سکے کیونکہ جنت الحمقا میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں خواہ کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں، لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقع وہ بنا بھی تو) لازماً جمہوری لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا جس میں غیر مسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح برابر کے شریک حکومت ہوں گے جس طرح مسلمان۔ اور پاکستان میں ان کی تعداد اتنی کم اور ان کی نمائندگی کی طاقت اتنی کمزور نہ ہوگی کہ شریعت اسلامی کو حکومت کا قانون اور قرآن کو اس جمہوری نظام کا دستور بنایا جاسکے۔

ہم ان حقائق کو سمجھتے ہیں اور اس بنا پر ہمارے نزدیک وہ تدابیر بالکل لاحاصل ہیں جن سے ہمارے محترم مضمون نگار اور ان کے طرز پر سوچنے والے بہت سے مسلمان اسلامی نظام کے قیام کی امیدیں وابستہ کیے بیٹھے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس مقصد تک پہنچنے کا کوئی راستہ اس کے سوا نہیں ہے کہ موجودہ حالات میں ہندوستان کا سیاسی نظام جس ڈھنگ پر چل رہا ہے اور جس راہ پر وہ آگے بڑھتا نظر آرہا ہے اس سے فی الحال ہم قطع نظر کرلیں اور اپنی ساری قوت اُس بنیادی کام پر صرف کریں جس کے ذریعہ سے نظام زندگی میں اسلامی طرز کا انقلاب رونما ہوسکتا ہے۔ مسلمانوں کی جو جماعتیں حقیقی صورت معاملہ کو اچھی طرح نہیں سمجھ رہی ہیں وہ اپنے طرز عمل میں آزاد ہیں، جس طرح وہ کام کرنا چاہیں کریں، ہم ان کے خلاف خواہ مخواہ کوئی معرکہ آرائی نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ پچھلے زمانہ کی غلطیوں کی بدولت اس وقت فوری طور پر ایسی کوئی قوت فراہم نہیں کی جاسکتی جس سے واقعات کی موجودہ رفتار پر وہ کم سے کم اثر بھی ڈالا جاسکے جو اسلام کے مقصد کے لیے مطلوب ہے۔ اس لیے ہم اس وقت کی سیاسی کارروائیوں میں دخل دینا تضیع وقت بھی سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے بھی اس سے احتراز کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس وقت ہم اپنے اصول سے ہٹے بغیر سیاسی جدوجہد میں حصہ نہیں لے سکتے۔ نیز ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس وقت سیاسی معاملات کا فیصلہ خواہ کچھ ہی ہوجائے اور اس کے نتائج آگے چل کر خواہ کتنے ہی خوفناک نکلتے نظر آئیں، لیکن اگر ہم اُس پروگرام پر ٹھیک ٹھیک عمل درآمد کرنے میں کامیاب ہوگئے جو ہمارے پیش نظر ہے تو واقعات کی رفتار بالآخر پلٹ کر رہے گی اور ان سارے نقصانات کی تلافی ہوجائے گی جو اس وقت کے اجتناب سے ہمیں پہنچیں گے۔

ہمارا پروگرام مختصراً یہ ہے:

۱) مسلمانوں کے اس مخلوط انبوہ میں سے صالح اہل ایمان کے عنصر کو چھانٹ کر اعلیٰ درجہ کی اخلاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تربیت کے ساتھ منظم کیا جائے اور ان کو اس کام کے لیے تیار کیا جائے کہ وہ مسلم قومیت کے بجائے خود اسلام کو ایک اصولی تحریک کی حیثیت سے لے کر اٹھ سکیں۔

ب۔ اس گروہ کے ذریعے عامۂ مسلمین میں اسلامی شعور و فہم اور اسلام اور غیر اسلام کی تمیز پیدا کی جائے۔ ان کی اخلاقی قدروں کو تبدیل کر کے خالص اسلامی قدریں ان کے ذہن نشین کی جائیں ان میں اسلامی نظام زندگی کے قیام کا مضبوط ارادہ (موہوم اور مبہم ارادہ نہیں بلکہ واضح اور شعوری ارادہ) پیدا کیا جائے اور ان کی رائے عام کو اس حد تک تیار کر دیا جائے کہ اگر جمہوری طریقوں پر ملک میں انقلاب کرنا ممکن ہو تو خالص اسلامی طرز پر کام کرنے والی جماعت کے سوا کوئی دوسرا گروہ انھیں بے وقوف بنا کر یا ان کے سامنے غیر اسلامی مقاصد پیش کر کے ان سے ووٹ نہ حاصل کر سکے۔ اور اگر جمہوری طریقے قابل عمل نہ ہوں تو وہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے پر آمادہ ہو جائیں

ج۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی موجودہ سیاسی کشمکش سے جو تعصبات ہندوستان کے غیر مسلموں میں پیدا ہو گئے ہیں ان سے بالاتر ہو کر غیر مسلموں کے سامنے اسلامی نظام زندگی اور ان اخلاقی بنیادوں کو جن پر یہ نظام زندگی قائم ہوتا ہے پیش کیا جائے اور پوری حکمت، جانفشانی اور خالص للّٰہیت کے ساتھ ایسے حالات پیدا کیے جائیں جن میں یہ ممکن ہو کہ غیر مسلموں کا بھی ایک صالح عنصر اسلامی نظام زندگی کا معتقد اور اس کے قیام کا طالب ہو جائے اور اسلامی نظام کا قیام صرف موجودہ مسلمان قوم کی رائے عام پر منحصر نہ رہے بلکہ ان قوموں کی رائے عام بھی اس کی مؤید ہو جائے جو آج غیر مسلم ہیں اور جن کو مسلمانوں کی موجودہ قومیت پرستانہ جنگ نے اسلام کے خلاف سخت تعصبات میں مبتلا کر رکھا ہے۔

اس پروگرام میں جب ہم ایک قابل لحاظ حد تک کامیاب ہو جائیں گے (اور ہمیں یقین ہے کہ جس طرز پر ہم کام کر رہے ہیں اس سے آخر کار انشاء اللہ ہم کو کامیابی ضرور ہو گی) تب ہم ملک کے حالات پر نظر ڈال کر دیکھیں گے کہ آیا اس وقت یہاں جمہوریت اتنی ترقی کر چکی ہے کہ دستور حکومت میں کوئی اصولی تغیر صرف اس بنیاد پر ہو سکتا ہے کہ رائے عام اس تغیر کی خواہشمند ہے؟ اگر صورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم نے موجود پائی تو ہم وقت کے دستورِ حکومت کو تبدیل کرنے اور اسلامی اصول پر دستور بنانے کا مطالبہ ملک کی رائے عام کے سامنے پیش کریں گے۔ اس تغیر کے لیے اسے تیار کریں گے اور وقت کے سیاسی نظام پر دباؤ ڈالیں گے کہ وہ ایک نئی دستور ساز اسمبلی (Constituent Assembly) منعقد کرے جو اس امر کا فیصلہ کرے کہ ملک کا آئندہ دستور کیا ہو۔ اس اسمبلی کے الیکشن میں ہم پوری کوشش کریں گے کہ رائے عام کی تائید سے ہم کو اکثریت حاصل ہو اور پھر ملک کا دستور اسلامی اصولوں پر قائم کریں۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس پروگرام کو ایک بڑا لمبا پروگرام سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید اس کے پورا ہونے میں دو تین صدیاں لگ جائیں گی، اس لیے ان کے نزدیک یہ کوئی عملی پروگرام نہیں ہے بلکہ وہ اسے ایک خیالی پلاؤ سمجھتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس پروگرام میں سارا دیر طلب کام صرف اس ابتدائی صالح گروہ کی تنظیم و تربیت کا ہے جو اسلامی انقلاب کی ایک وسیع تحریک کا موزوں محرک ہو سکے۔ ایسے ایک گروہ کی تنظیم کے بعد یہ تحریک اس طرح پھیلے گی جیسے خشک گھاس میں آگ پھیلتی ہے۔ وقت کے تعین کی پیشینگوئی تو میں نہیں کر سکتا لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس ابتدائی مرحلہ کے گزرنے کے بعد ہماری منزلِ مقصود اتنی دور نہیں رہے گی جتنی بہت سے لوگ کام کیے بغیر صرف اپنے خیال میں دور سمجھ رہے ہیں۔ تاہم اگر یہ دور بھی ہو تو چونکہ منزلِ حق یہی ہے اس لیے ہم اس کی طرف دوڑتے ہوئے مر جانا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، بہ نسبت اس کے کہ جانتے بوجھتے غلط مگر آسان راہوں میں اپنی قوت صرف کریں یا نادانی کے ساتھ جنت الحمقا کے حصول میں اپنی قوت ضائع کریں۔

(۳) تیسری غلط فہمی جس میں صاحب [illegible] دین کے ساتھ بہت سے سادہ لوح مسلمان مبتلا ہیں یہ ہے کہ مسلم لیگ کی پیدا کردہ موجودہ فضا اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ عام مسلمانوں کے ووٹوں سے تمام تر مومنین کا ایسا گروہ منتخب ہو کر آ سکتا ہے جو وقت کی سیاسی رفتار کو اسلامی نصب العین کی طرف پھیرنے کے قابل ہو۔ اسی بنا پر یہ حضرات کہتے ہیں کیسا نادر موقع مل رہا ہے اور تم اسے کھوئے دیتے ہو۔ اندھے ایمان کی بات تو دوسری ہے کہ اس میں تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور جب کوئی تحریک شور و غل اور ہنگامے کے ساتھ طوفانی رفتار سے چل رہی ہو تو عام طبائع میں اندھے ایمان کا رجحان پیدا ہو ہی جایا کرتا ہے

© rasailojaraid.com